مسیح موعود سے متعلق یہودیت کے دینیاتی اور تاریخی تصوّرات کا جائزہnn

The concept of the Promised Messiah in the Jewish apocalyptic literature: A Review

ڈاکٹر مشتاق احمد*

Abstract

Deliverance from earthly persecutions and subjections through sporadic heavenly intervention has been a psycho-religious element of Jewish mind and history. During Greeks and Roman subjections Jews developed the science of Eschatology and apocalyptic literature which denotes the "End of Days" and the gathering of all nations in the home of the God of Jacob as prophesied by prophet Isiah & Micha. A Charismatic person will make chosen people free from world oppressions and reinstate their lost sovereignty over the world. Such dominion is referred back to a symbolic vision of Prophet Daniel seeing a man descending down on heavenly cloud and being conferred an everlasting Dominion by a white-haired, fiery-throned, aged and "Ancient of Days" person with a radiating face. Later on such symbolic vision led to the doctrine of Messiah and Messianic kingdom in Jewish history along with all its theological, philosophical and spiritual adjuncts. The polygon-Jewish doctrine of Messiah that three millennia is too vast and enormous be rightly penetrated and accommodated in a summed up study. Hence, in these short-contentarticle spams only a brief and cursory approach has been made towards the main and few aspects and features of the said doctrine.

جدید یہودیّت اپنی موجودہ دینی ہیئت کو فکرِ ابراہیمی پر استوار سمجھتی ہے اور اسی حوالے سے عہد مسیحانہ کی آمد و برپائی کی گھڑیاں گن رہی ہے۔ اپنے وجود کے ہزاروں سال پر محیط تاریخی لمحات میں یہودیت خود کو اس کچی اینٹ کی طرح خیال کرتی ہے جسے آگ کی بھٹیوں میں تپا کر پختہ کیا جاتا ہے تاکہ کل وہ ایک مضبوط عمارت کی اٹھان کا ضامن بن سکے۔ یہودیت میں یہ تصوّر اب عام ہے کہ عروج سے پہلے زوال کے دن دیکھنے پڑتے ہیں۔

ارتھر ہزبرگ(Arthur Herzburg)لکھتا ہے:

> "Judaism constructs its present out of a memory reaching back to Abraham and looking forward to Messianic age for humanity as a whole. It is the way which began with the breaking of idols and with risking all for the sake of God. To lead is often to suffer, and throughout all the centuries has found in the tragedy which is so much of Jewish history, in its role as the "Suffering Servants" of God, the Surest sign of its ordained task''[1]

دنیا میں یہودی دورِ ابتلاء اور اس کے علّت و فلسفہ سے متعلق فاضل آرتھر کے مذکورہ اقتباس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جس طرح جیل کی چھکی میں بند قیدی ہی اپنی رہائی کا منتظر ہوتا ہے بالکل اسی طرح ہزاروں سال کی ابتلائی ادوار کی پسی ہوئی یہودیت خود کو

*پروفیسر شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

دوسروں کی بہ نسبت نظریہ مسیح موعود یا نظریہ عہد مسیحانہ کا اصل علمبر دار گردانتی ہے تا آنکہ اس کے نتیجے میں ایک عالمی اسرائیلی ریاست قائم ہو اور یوں پوری دنیا والے اس نظریہ کے فیضان سے مستفید ہوں۔

خود یہودیت کے اندر مسیح موعود سے متعلق مختلف اور متنوع تعبیرات پائی جاتی ہیں۔ کچھ انہیں ایک مافوق البشر اور کرشمائی ذات (chrasmetic person) خیال کرتے ہیں جو گرجتے بادلوں کے اوپر بیٹھ کر کوندتی بجلیوں، تندر کی کڑکڑاہٹوں میں تختِ آتش فشاں (fiery chariot) پر بیٹھے ہوئے سفید ریش ہیولہ ہائے تابانی (radiant amorphous shape) کی موجودگی میں پرواز کرکے زمین پر اتریں گے۔ کچھ اور کے ہاں مسیح موعود کسی کرشماتی ذات کا نام نہیں کہ خرقِ عادت امور اور مافوق البشر مظاہروں کے ذریعے دنیا سے اپنی طاقت کا لوہا منوالے بلکہ وہ ایک عام انسان ہوں گے جو دنیا کی بادشاہت کو خدائی مرضی کے مطابق چلائیں گے اور دنیا کو عدل و انصاف اور امن و خوشی سے ہمکنار کریں گے۔ اس حوالے سے دیگر دینیاتی ناموں کی بہ نسبت اسے مسیح بادشاہ (Messiah King) کے نام سے پکارنا زیادہ مناسب ہوگا[2]۔ کچھ جدید الخیال یہودی نظریہ مسیح موعود کو یہودی دینیات کا ایک غیر ضروری عنصر قرار دیکر اس سے پیچھا چھڑا چکے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کوئی دینیاتی دانشمندی نہیں کہ ایک لاحاصل بحث میں خود کو الجھا کر کسی غیر موجود کے آنے کے انتظار میں اپنی زندگی کھپائی جائے۔ مسیح کو آنا ہے تو آجائے نہ آنا ہے تو نہ آئے موت کو تو آنا ہے۔

"Let the spirit of those breath its last who seek to calculate the end[3]"

کچھ علمی طبقے مسیح موعود یا عہدِ مسیحانہ کے تصوّر کو مستقبل کے متوقع عہدِ دانش یہود (Jewish expected sagacity age) کے عہد سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب یہودیت کو ایسے عبقری دانشور، حکماء اور اصحابِ معرفت میسر ہوں گے جو باطن کے بارے میں بول سکیں گے۔ ان کے نزدیک اس متوقع عہد دانش کی تصریح کتاب یسعیاہ اور کتاب دانی ایل میں پر امن بادشاہی کے عنوان سے بھی کی گئی ہے کہ ایک بارآور شاخ پیدا ہو گی، خداوند کی روح اس پر ٹھہرے گی۔ حکمت اور خرد کی روح، مصلحت اور قدرت کی روح، معرفت اور خداوند کے خوف کی روح جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی[4] اور اہلِ دانش نور کی مانند چمکیں گے اور جن کی کوشش سے بہتیرے صادق اور ستاروں کی مانند ابد الآباد تک روشن ہوں گے۔[5]

عہد نامہ قدیم کے دو غیر مشمولہ اور مشکوک اجزاء (apocrypha, & pseudepigrapha) کے دو ابواب بارک دوم (Baruch II) اور عزرا چہارم (Ezra IV) کے تحت مسیح یا تو برائی اور اچھائی کے درمیان موجود کوئی خدائی نمائندہ ہے جو فساد کے اختتامی لمحات میں آسمانوں کا رخ کرتا ہے یا محض ایک تشفی اور تسلّی ہے جو ستم زدہ یہودیوں کو خدائی نجات (heavenly deliverance) کے نام سے وقفے وقفے سے دی جاتی رہی گویا اسی کے تحت مسیح موعود کا انتظار کرنا ہی بے کار ہے، نہ مسیح موعود کہیں موجود ہے اور نہ کسی مسیحائی عہد کو برپا ہونا ہے۔[6] عربی زبان میں مسیح اور انگریزی زبان میں Messiah کا اصل عبرانی زبان کے مشیہ (Mashiach) سے ہے جو اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کو تیل کی مالش دے کر مقدس اور دینیاتی بنادیا گیا ہو۔[7]

175 قبل مسیح تک یہودیت میں مسیح موعود یا مسیح بطورِ نجات دہندہ (Emancipator) یا عہدِ مسیحانہ (Messianic age) کا کوئی واضح تصوّر موجود نہیں تھا۔ 586 ق۔م سے لیکر 175 ق۔م تک یہودیت اپنی خوشی اور غم، عروج و زوال اور یروشلم سے متعلق

اس وقت کے بین الاقوامی طاقتوں کی سیاسی کشمکش اور رسہ کشی کو فقط نوشتہ تقدیر خیال کرتے تھے۔ گو کہ کتاب مقدس کے ذیلی ابواب میں ایسا وافر مواد موجود تھا جو مستقبل میں ایک عبقری اور کرشمائی انسان کے آنے اور اس کے ہاتھوں دنیا کو شیطان اور تاریکی کے بچوں (Dark-Sons) سے نجات دلانے اور دنیا پر اچھائی اور روشنی کے بچوں (Light-Sons) کے تسلط جمانے کی نشاندہی کرتا تھا۔[8] تاہم اس قسم کی دینیاتی پیشگوئیاں مسیح موعود یا عہدِ مسیحانہ کی اصطلاح کی ابتدائی تکوین نہ کر سکیں۔ 63 ق۔م میں یہودیت کو اس وقت شدید دھچکا لگا جب رومیوں نے مکابیین کی یہودی ریاست کو تباہ کر دیا۔ مکابی ریاست کی تباہی نے یہودی ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا کہ انہیں اب دینیاتی نشانی کی پیروی کرنی چاہئے جو غیروں کے ہاتھوں مسلسل ابتلا اور تعذیب کے بیچوں بیچ مستقبل میں ان کی نجات کا ضامن بنے۔ نتیجتاً یہودیت میں ایک طرف ممکنہ عہد اختتامِ ابتلا (Apocalypse) کے نئے تصوّر نے جنم دیا جس نے یہودیت میں پہلی بار فنائے عالم اور اوانِ اختتام عہد سے متعلق ادب (Apocalyptic Literature) کی داغ بیل ڈال دی جبکہ دوسری طرف یہودی سماج میں کسی عبقری انسان یا بندہ نجات یا مسیح موعود کی غیر معمولی آمد کے نظریے نے جڑ پکڑ لیا۔ کتاب مقدس نے اس تصور اور نظریہ کو بھرپور مواد فراہم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ماضی کے حوالے سے اس عہد کے یہودی اتنا تو جانتے تھے کہ کسی انسان کے ہاتھوں ان کے مصائب کا خاتمہ کوئی انوکھا خیال نہیں ہے۔ اس سے پہلے فرعون کے مظالم کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نجات دہندہ ثابت ہوئے۔ حضرت یوشع علیہ السلام ان کو صحرائے سینا سے نکالنے میں کامیاب ہوئے جبکہ حضرت سموئیل علیہ السلام اور ملک طالوت نے ان کے عہد ملوکیت کی تاسیس کی گو کہ وہ مسیح موعود کا لقب نہیں رکھتے تھے۔ کتاب مقدس کی متعدد نصوص نے یہودیت میں مسیح موعود کے تصوّر کی آبیاری کی اور اسے ارتقائی منازل سے ہمکنار کیا۔ اب یہ تصوّر عام ہونے لگا کہ حالیہ یہودی ابتلا (Jewish persecution) اپنے پہلو میں آفاقی نجات (universal redemption) کا پیغام بھی رکھتی ہے۔ جب نہ صرف یہودی بلکہ پوری دنیا پہاڑی کے دامن میں یعقوب علیہ السلام کے خدا کے گھر میں جمع ہوگی اور ہر طرف امن، خوشی اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ نجات اور عروج کی امید کی یہ کرن کتاب مقدس سے لی گئی ہے جس میں کہا گیا ہے۔

> "آخری دنوں میں یوں ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر قائم کیا جائے گا اور سب ٹیلوں سے بلند ہوگا۔۔۔ اور بہت قومیں آئیں گی اور کہیں گی آؤ خدا کی پہاڑ پر چڑھیں اور یعقوب علیہ السلام کے خدا کے گھر میں داخل ہوں۔۔۔۔ اے بنتِ صیّون کی پہاڑی! یہ تیرے ہی لئے ہے یعنی دختر یروشلم کی بادشاہی تجھے ملے گی۔۔۔۔ اب بہت سی قومیں تمھارے خلاف جمع ہوئی ہیں۔۔۔۔ لیکن اے بیت اللحم افراتاہ۔ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کے لیے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور وہ میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا۔۔۔۔ اور وہ کھڑا ہوگا اور خداوند کی قدرت سے اور خداوند اپنے خدا کے نام کی بزرگی سے گلہ بانی کرے گا۔۔۔۔ اور وہی ہماری سلامتی ہوگا"[9]

خدائی فتح، شیطانی عہد کے خاتمے، روشنی کے بچوں کے عروج اور تاریکی کے بچوں کے راج کے خاتمے سے متعلق آخر اللمحاتی ادب (apocalyptic literature) 21 صدیں میں تیزی سے پرورش پا رہا ہے جس کے تحت آئندہ آنیوالا مسیح (Messiah) کوئی ایسا انسان ہوگا جو شیطانی قوتوں کے خاتمہ اور فروغِ حق کیلئے ظہور کرے گا۔ کتاب دانی ایل، جو یہودی عہدِ ابتلا 175 ق۔م اور 164 ق۔م

کے وسطی مدت میں مرتب کی گئی ہے، کے اقتباسات کی رو سے مسیح خدائی ابر پر بیٹھ کر آئے گا جہاں ایک معمر الایام، سفید پیراہنی اور شعلہ فشاں تخت پر بیٹھی ہوئی مخلوق اس کی دائمی بادشاہت کا اعلان کرے گی۔ اسی مسیح کی طفیل منتشرِ عالم منتخب بندگانِ خدا نہ صرف ارضِ موعودہ میں جمع ہوں گے بلکہ اسی مرکز سے وہ ہمہ گیر اسرائیلی ریاست کا اعلان بھی کریں گے۔

مسیح کے متعلق مذکورہ تصوّر حضرت دانی ایل کے ایک خواب کی تعبیر کی روشنی میں تشکیل دیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے:

"میرے دیکھتے ہوئے تخت لگائے گئے اور قدیم الایام بیٹھ گیا، اس کا لباس برف سا سفید تھا اور اس کے بال خالص اون کے مانند تھے۔ اس کا تخت آگ کی شعلہ کی مانند تھا۔ اسکے پہیے جلتی آگ کے مانند تھے۔۔۔ ایک شخص آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام تک پہنچا۔ وہ اسے اس کے حضور لائے اور سلطنت اور حشمت اسے دی گئی تاکہ سب لوگ، امتیں اور اہلِ لغت اس کی خدمت گزاری کریں۔۔۔ مجھ دانی ایل کی روح میرے بدن میں ملول ہوئی۔۔۔ جو میرے نزدیک کھڑے تھے ان میں سے ایک کے پاس گیا ان سب باتوں کی حقیقت دریافت کی۔ اس نے مجھے بتایا۔۔۔ چار بادشاہ زمین پر برپا ہوں گے لیکن حق تعالٰی کے مقدس لوگ سلطنت لے لیں گے اور ابد تک ہاں ابد الآباد تک اس سلطنت کے مالک رہیں گے"[10]

کتاب مقدس کے مطابق دانی ایل نے اسی خواب میں دس سینگوں والے ایک حیوان کو دیکھا۔ اچانک ان سینگوں میں سے ایک اور سینگ نکلا جس کی انسانون کی سی آنکھیں اور منہ تھا۔ وہ سینگ مقدسوں سے لڑتا اور ان پر غالب آتا رہا۔ جب تک کہ قدیم الایام نہ آیا اور حق تعالٰی کے مقدسوں کا انصاف نہ کیا گیا اور وہ وقت نہ پہنچا کہ مقدس لوگ سلطنت کے مالک ہوں۔[11]

دانی ایل کو بتایا گیا کہ وہ دس سینگ دراصل دس بادشاہ ہیں جن میں ایک اور بادشاہ نمودار ہوگا جو اللہ کے خلاف بولے گا اور اللہ کے مقدسوں کو تنگ کرے گا اور اوقات (عبادت) اور شریعت کو بدلنے کی کوشش کرے گا۔ ان کی سلطنت طویل دور کیلئے ہو گی۔[12]

اس کے بعد دانی ایل کو بتایا گیا:

تب عدالت قائم ہو گی اور اسکی سلطنت اس سے لے لیں گے کہ اسے ہمیشہ کیلئے نیست و نابود کریں اور تمام آسمان کے نیچے سب ملکوں کی سلطنت اور مملکت اور سلطنت کی حشمت حق تعالٰی کے مقدس لوگوں کو بخشی جائے گی۔ اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے اور تمام مملکتیں اس کی خدمت گزار اور فرماں بردار ہو نگی۔[13]

کتاب مقدس کا بابِ دانی ایل دراصل مستقبل اور عہد آخر الایام کے متعلق حضرت دانی ایل کے خوابوں کی ایک طویل سیریز ہے جب میدانِ جنگ گرم ہو گی، بڑی طاقتیں حصولِ خدائی عالم کے لیے نبرد آزما ہونگیں۔ یہودی اس کے بیچ کچلے جائیں گے پھر تب کہیں ان کو آسمان سے آنے والے شخص کے طفیل جلا نصیب ہو گی۔ دانی ایل کے مطابق یہ ایک طویل المیعاد خدائی منصوبہ ہے جس کا احاطہ قریبی زمانوں میں ناممکن ہے اس لئے بادی النظر میں یہ سمجھنا کہ دنیا واقعی اسی عہد میں داخل ہو چکی ہے محض ایک خیال ہے کیونکہ دانی ایل کے پوچھنے پر تعبیر دینے والوں نے اسے بتایا۔

- دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے آخر میں کیا ہو گا کیونکہ یہ امر آخری مقررہ وقت کی بابت ہے۔[14]
- لیکن تو اس رؤیا کو بند رکھ کیونکہ اس کا علاقہ بہت دور کے ایّام سے ہے[15].

- ہنوز یہ رؤیا زمانہ دراز کے لیے ہے ۔[16]
- لیکن تو اے دانی ایل ۔۔ان باتوں کو بند رکھ اور کتاب پر آخری زمانہ تک مہر لگا دے، بہتیرے اس کی تحقیق و تفتیش کریں گے اور دانش افزوں ہو گی ۔[17]
- اے دانی ایل، تو اپنی راہ لے کیونکہ کہ باتیں آخری وقت تک سر بمہر رہیں گی ۔[18]

تاہم کسی طویل المیعاد منصوبے کو صدیوں کے بجائے سالوں سے متعین کرنے والا محقق دانی ایل کی مذکورہ پیشگوئیاں ان کے فوراً بعد کی تاریخی واقعات اور ان کی اطلاقی اور تطبیقی صورتوں سے بھی تعبیر کر سکتا ہے مثلاً یہ کہ دانی ایل کی خوابوں کی رو سے رومیوں کے ہاتھوں قربان گاہ کی مسماری، اوقات عبادت میں تبدیلی، شریعت (مثلاً ختنہ) پر پابندی، مقدس میں ناپاک اشیاء کی تنصیب یا مقدس کی تیل کی بندش کچھ ایسی باتیں ہیں جو بعد میں یونانی اور رومی فاتحین یروشلم کے ہاتھوں عملی شکل میں وقوع پذیر ہو چکی ہیں[19] اور اس کے عملی شکل کیلئے عالمی سلطنتوں کے ٹکراؤ، قدیم الایام کی تخت بچھائی، عبقریوں کی آمد اور انعقادِ تسلّط اسرائیل جیسے مزعومات کے انتظار کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اس کے حوالے سے کسی آخر لحاتی ادب کی تکوین و تشکیل کی جائے۔

ارضِ موعودہ کی طرف واپسی، مسیح موعود کی آمد، دورِ مسیحانہ کی برپائی اور عہدِ آخر کے تصوّرات کو ایک دائرے کے ساتھ کچھ اس انداز سے ہم آہنگ کیا گیا ہے کہ وہ یہودیت کے اندر قربِ قیامت اور علامات اختتامِ کائنات سے متعلق علم (Eschatology) پر منتج ہوا۔ مقدس نصوص کی اساس پر قائم علمِ لحات آخری و قربِ قیامت (Eschatology) نے انیسویں صدی اور زمانہ مابعد کے یہودی ذہن پر گہری چھاپ چھوڑ دی ہے۔ اب تو وہ جدید الخیال یہودی بھی جو مابعد الطبیعاتی (Metaphysics) بارِ گر مادیت و تجسیم ارواح (Mortality and re-incarnation of souls)، بعث بعدِ موت (Resurrection) اور جنت و دوزخ جیسے امور کے قائل نہیں اور جو بعد از موت روحِ انسانی کی تحلیل در کائنات کی رائے دیتے آئے ہیں، علامات قربِ قیامت کے یہودی تصوّر سے متاثر ہیں۔[20]

مسیح موعود کے تصوّر سے بہت پہلے اور زمانہ اسارتِ بابل کے بعد کے ادوار (Post Byblonian exilic ages) میں یہود کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پیروی میں کسی کرشماتی شخصیت کے آنے، یہود کو طاغوتی حکمرانوں کے چنگل سے آزاد کرانے اور یہودیت کے اندر ہارونی ربّیت (Aronic Priesthood) کی نشاۃ ثانیہ کا تصوّر بھی فروغ پاتا رہا۔[21]

یہ تصوّر اتنا راسخ تھا کہ پانچویں صدی عیسویں میں جزیرہ کریٹ کے ایک یہودی خبطی نے حضرت موسیٰ اور صاحبِ معجزہ ہونے کا دعویٰ کیا او وہاں کے یہودیوں کو امید دلائی کہ وہ انہیں کسی کشتی کے بغیر یہودیہ پہنچا دے گا جب اس کے گرد ڈھیر ساری تعداد جمع ہو گئی تو وہ آگے بڑھا اور سب کو اپنی پیروی میں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیا۔ نتیجۃً تمام خوش اعتقاد پانی میں ڈوب گئے۔[22]

جدید یہودیت میں مسیح موعود کے ہاتھوں نجات اور سرخروئی اور علاماتِ قربِ قیام (Eschatology) کے دونوں تصوّرات کو باہم منتھی کرنے کا مقصد دنیا والوں کو ڈرا کر اپنی طرف راغب کرنا ہے کہ انہوں نے اگر یہود کے نجات میں تعاون نہیں کی تو وہ قیامت کی شکل میں ایک مہیب تباہی سے دوچار ہو جائیں گے۔ انہیں اگر تباہی سے بچنا، خوشی کی زندگی گزارنا اور مسیحانہ رحمتوں سے متمتع ہونا ہے تو انہیں یہودیوں کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہیئں۔ یہ انوکھی اور خیالی بات نہیں ہے اور نہ یہودی عقیدہ مسیح کو استہزائی انداز میں پیش کرنے کی ایک غیر دینیاتی سوچ کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مذہبی اور سیاسی حلقوں میں اب یہ

تصوّر عام ہو تا جارہا ہے کہ آج اگر امریکہ کو خوشی اور عالمی سیادت نصیب ہے اور اس کے باشندے ناز و نعم میں پل رہے ہیں تو اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اس نے دنیا کے مظلوم یہودیوں کی طرف دستِ تعاون بڑھا کر ان کی دعائیں لی ہیں۔

1981ء میں American-Israel Policy Annual Conference (AIPAC) سے خطاب کرتے ہوئے امریکی سینیٹر راجر ڈبلیو جیفسن (Rojer W. Jepsen) نے کھل کر کہا:

> "I believe one of the reason America has been blessed over the years, is because we have been hospitable to those Jews who have sought a home in this country. We have been blessed because we have come to Israel defense regularly, and we have blessed because we have recognized Israel's right to the land....[23]"

Moral Majority کے سرکردہ رہنما جیری فالویل (Jerry Falwell) نے اسرائیلی ریاست کی بقا کو امریکہ کی بقا کا ضامن گردانتے ہوئے کہا:

> "I do not think America could turn its back on Israel and Survive, God deals with nations in relation to how those nations deal with Jews.[24]"

امریکی ذرائع ابلاغ تعاون مع الیہود کو خدائی اشارہ بھی خیال کرتے ہیں۔ ٹیکساس کا ایک ٹیلی ویژن گھنٹہ بھر کا ایک پروگرام Israel-America a key to Survival کے نام سے ٹیلی کاسٹ کرتا ہے۔ اس نشریاتی ادارہ کے نگرانِ اعلیٰ مائیک ایون (Mike Evans) نے ایک بار کہا:

> "God distinctly told me to produce this T.V special pertaining to the nation of Israel[25]"

اور تو اور خود امریکی صدر رونالڈ ریگن (Ronald Reagan) نے 1983ء میں AIPAC کے ایگزیکٹو ڈائرکٹر تھامس اے. ڈائن (ThomsanA.Dine) کو فون کیا اور لبنان کی الجھی ہوئی صورتِ حال اور عہدِ آخر کے ممکنہ عظیم حربِ حار (Armageddon) میں امریکی اسرائیلی کردار کو کتاب مقدس کے انبیاء کے پیشگوئیوں کا تتمہ قرار دیتے ہوئے ذرا مولویانہ انداز میں کہا:

> "I turn back to your ancient prophets in the Old Testament and the signs foretelling Armageddon and I found myself wondering..... if we are the generation that's going to see that come about. I don't think if you have noted of those prophecies lately but, believe me, they certainly describe the time we are going through [26]"

کڑک دار اور آتشین عظیم میدانِ جنگ (Armageddon) میں یہودی مسیحی اشتراکِ عمل کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو انتظارِ مسیح موعود اور ان کی قیادت میں عالمی جنگ کی برپائی یہودی تاریخ کا ایک اہم عنصر ہے اب وہ ان کے ہاں صرف ایک عقیدہ نہیں بلکہ ایک جذباتی ضرورت بھی ہے۔ قبل مسیحی اور بعد مسیحی ادوار میں یہودیوں نے غیروں کے خلاف اس امید پر لڑائی باندھی ہے کہ اس

لڑائی میں بالآخر مسیح موعود بھی شریک ہوں گے۔ رومیوں کے خلاف پہلی صدی عیسوی کے یہودی انقلابات میں مسیح موعود کے ممکنہ شرکت کا نظریہ پیش کیا گیا۔[27]

سیاسی اعتبار سے مشرق وسطیٰ کے گرم جنگ میں یہودی مسیحی اشتراک تو کھل کر سامنے آگیا ہے تاہم دینیاتی حوالے سے یہ بات اب بھی تنقیح طلب ہے کہ عظیم عالمی جنگ کی سامی جیت (Semitic victory) کے نتیجے میں یہاں اسرائیلی بادشاہت قائم ہوگی یا یہاں آسمانی بادشاہت منعقد ہوگی کیونکہ جنگ میں شریک یہودی آسمانی بادشاہت کے قیام کے لئے اترنے والے یسوع مسیح کے سرئے سے قائل ہی نہیں۔ ادھر یہودیوں کے علمی حلقے مشرق وسطیٰ میں مسیحی دستِ تعاون کو شک کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ مسیحی ہمارے کندھوں پر بندوق رکھ کر دراصل اسرائیلی ریاست کی آڑ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی بادشاہت کے لئے جغرافیہ ہموار کر رہے ہیں۔ وہ اسرائیل کے اندر مسیحی سرگرمیوں کو بھی ناپسندیدہ خیال کرتے ہیں غالباً بلکہ یقیناً انہوں نے اس بات کا ادراک کیا ہے کہ کچھ مسیحی حلقے اسرائیل سے متعلق کتابِ مقدس کی پیشگوئیوں کی تکمیل کیلئے یہودیت کا مسیحیت میں ضم ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسرائیل کے مذہبی تعلقات کے ڈائرکٹر ڈان روزنگ (Dan Rossing) نے دبی دبی زبان میں اس خدشہ کو دہرا کر کہا:-

"........the evangelical theological scheme clearly implies that Jews have to become Christians clearly not today, but someday[28]"

یہودی ربّی موشے برلنر (Moshe Berliner) مسیحی دستِ تعاون کو یہودیوں کے خلاف تبدیلی مذہب کا مسیحی مہم خیال کرتے ہیں اور اس کے اعتبار کرنے کو فریب خوردگی سے تعبیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"Are we so gullible as to take any hand extended to us in friendship?" [29]

فریقین کے درمیان یہ حیران کن تناقض اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ حالات کے سیاسی رخ کے بل بوتے یہودیت کو دینیاتِ غیر کے شیشے میں اتارنا چنداں آسان عمل نہیں ہے۔

بہت یہودی مسیح موعود کے اطلاقی شکل کو سیاسی رخ سے دیکھتے ہیں مثلاً یہودیت کا سب سے بڑا مصلح موسیٰ بن میمون مسیح موعود کو محض ایک سیاسی قوت خیال کرتے ہیں نہ یہ کہ وہ بادلوں پر اتر کر اور فنائے عالم کا نقیب بن کر قیامت کی برپائی اور دنیا کے خاتمے کا ڈھنڈورا پیٹیں گے۔[30]

ممکن ہے ماضی میں مسیح موعود کے نام سے دینیاتی شخصیات کی ناکامیوں نے جدید الخیالوں کو ایسا سوچنے پر مجبور کر دیا ہو مثلاً 132ء میں سائمن بار کوخبہ (Simon Bar, Kokhaba) نے مسیح موجود کا دعویٰ کر کے رومیوں کے خلاف جنگ برپا کی تاہم جب اس کی تحریک کو کچل دیا گیا تو یہودی سوادنے اس کی شکست کو اس کی دعویٰ مسیحیت کے غیر صحیح ہونے پر محمول کیا۔ بعد میں اس کے ایک فدوی اور پیروکار عقیبہ (Akiva) نے یہ تاویل کر کے اس کے مشن کو آگے بڑھایا کہ کسی مسیح موعود کے دعویٰ مسیحیت کو صرف اس بنیاد پر رد کرنا صحیح نہیں ہے کہ اسے دنیاوی افواج کے مقابلے میں شکست ہوئی ہے تاہم وہ رومیوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ دورانِ قتل وہ شمّہ اسرائیل[31] کا ورد کر رہا تھا۔[32]

واضح رہے جب نازی جرمنی میں یہودیوں کو گیسس چیمبر زہانک کر لایا جارہا تھا۔ اس وقت بھی بہت سے یہودی Ani Maamin[33] کا ورد کررہے تھے۔[34] یہاں دلچسپ بات یہ ہے کہ بحیرہ مردار کے قریب نئی دریافت شدہ کتب (Dead Sea Scrolls) کی رو سے ایک دینیاتی مسیح موعود کے پیچھے کسی سیاسی قوت کا کار فرما ہونا ضروری ہے مثلاً اگر کوئی راہب مسیح موعود شکست سے دوچار ہو تو شہزادہ مسیح موعود آکر اپنی سیاسی قوت کے بل بوتے اس کی شکست کو فتح میں تبدیل کرسکے۔ ان تحریرات کی رو سے اول الذکر کی پیدائش یوسفی اور ثانی الذکر داودی نسل میں ممکن ہے[35] کتاب مقدس میں آخری ایام میں داؤدی نسل کے بادشاہ کی پیدائش کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہے:۔۔۔ میں داؤد کے لئے ایک صادق شاخ پیدا کروں گا اور اسکی بادشاہی ملک میں اقبال مندی اور عدالت اور صداقت کے ساتھ ہوگی[36] یہودی اہلِ تصوّف مسیح موعود کو ایک صوفی مسیح موعود کی حیثیت سے جانتے ہیں جو متصوفانہ افکار کی اساس پر خدائی راج قائم کریں گے۔ اسی بنا پر ابھی ابھی بیسویں صدی کے آخری عشرہ میں یہودی تصوّف کے سلسلہ لباوتک خاسدیمیہ (Lubavitch Hasidims) کے صوفی مرشد مناکم مینڈل (Menachem Mendel) نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا[37] اس سے پہلے سترھویں صدی عیسوی میں صوفی شبتائی زوی (Shabbetai Zvi) ترکی سے نقل مکانی کرکے فلسطین آئے تو اسے مسیح موعود قرار دیا گیا۔[38] یوکرائن کے کوساک پوگرم (Cossak Pogrom) کے ستائے ہوئے یہودیوں نے اس کا استقبال کیا۔ بعد ازاں شبتائی نے ترکی کے جیل میں اسلام قبول کیا۔ اب بھی شبتائی کے پیروکار اس کے قبول اسلام کو یہودی طریقہ تقیہ و تصنّع (Jewish pretension) کے تحت مستقبل میں دنیا پر اس کے حتمی اور شاندار فتح (ultimate glorious triumph) سے پہلے لازمی تذلیل مسیح (necessary Missiach degradation) سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شبتائی نے مسیح موعود اور اس سے ملحقہ تصوّر لمحۂ آخر (apolyaptic age) کے ساتھ ساتھ رجائیت (optimism) کا مظاہرہ بھی کیا اور اپنا گلا کٹوانے کے بجائے اسلام کا مصنوعی لبادہ اوڑھ کر خود یا کسی غیر کے حتمی مسیح موعود کے انتظار کو ترجیح دی کیونکہ مسیح موعود کے انتظار کے ساتھ ساتھ کل کے امید پر رہنا یہودی دینیات کا لازمی حصہ ہے۔ اس حوالے سے پہلی صدی عیسوی کے یہودی ربّی یوحنان بن زکائی (Yohanan b. Zakkai) کے اس فرمودہ کو عملی شکل دی کہ "اگر تمھارے ہاتھ میں ننھا پودا (Sapling) ہو اور اس دوران مسیح موعود کی آمد کا اعلان ہو جائے تو اس ننھے پودے کو لگا کر تب مسیح موعود کا استقبال کرنے جاؤ۔[39]

سولہویں صدی عیسوی کے یہودی تصوّف کے سلسلہ کبالا کے نامور صوفی اور لوریائی کبالا (luranic Kabala) کے مؤسس اسحاق لوریا (Isaac Luria) نے آمد مسیح اور عہدِ مسیحانہ کی برپائی کو متصوفانہ اعمال کی دہرائی سے مشروط کرکے اپنے مریدوں کو تاکید کی کہ اگر یہودی نماز، دہرائی تورات، ذکر اور دیگر متصوفانہ اعمالِ تطہیر (ascetic practions) پر کاربند ہوں تو یہ اعمالِ باطنی شعاعوں کے ذریعے تطہیر عالم (tikun olam) پر منتج ہونگے اور یوں مسیح موعود اور عہد مسیحانہ کا دورہ دورہ ہو گا۔[40]

مذاہب میں کبھی دینیات زمینی حقائق اور واقعاتِ عالم کی ترتیب بندی کرتی ہیں تو کبھی خود زمینی حقائق اور واقعاتِ عالم دینیات کا پرتو بنتی ہیں۔ یہودیت میں مسیح موعود اور ساعتِ آخر کو انہی دو باتوں کی روشنی میں پروان چڑھایا گیا ہے۔

یروشلم کی طرف واپسی اور ہمہ گیر یہودی طاقت کی خوش فہمی ہر یہودی کے پلو میں بندھی ہوئی ہے۔ عالمی اور ہمہ گیر یہودی ریاست کا تصوّر اس بات کا غماز ہے کہ یہودیوں کو اگر محدود پیمانے پر ریاست ملی ہے تو اس کے بدلے اسے پہاڑ جیسا غم بھی دامن گیر ہے اور وہ یہ کہ اگر مغربی طاقتوں کے بل بوتے قائم یہ ننھی منی ریاست بچھڑ گئی تو پھر یہودی قوم کی قد میں کہیں بھی ٹک نہ سکیں گے۔ وہ خود کو

اب بھی بیچ راہ مسافر سمجھتی ہے جس کا منزل تاہنوز دور ہو۔ یوم ہاشوہ (Yom HaShoah) یا یوم یاد وماتم ہولوکاسٹ کے موقع پر اسرائیل میں یڈش زبان (Yiddish) میں جو ترانہ گایا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں یوں کیا گیا ہے۔

"Never say that you aregoing your last way, though leaden skiesblot out the blue day.The hour for which weLong will certainly appear[41]"

جدید یہودیت کو اپنے خدائے بزرگ و برتر سے یہ شکوہ ہے کہ اس نے قادرِ مطلق ہونے کے باوجود ہولوکاسٹ میں ان کی کوئی مدد نہیں کی اور انہیں ذبح عام کے لیے چھوڑ دیا۔ یہ سوالیہ نشان کہ کیا یہودی قوم صرف ذبح ہونے کیلئے پیدا کی گئی ہے، اب اس خدشہ کو تقویّت دے رہی ہے کہ اسرائیل کے زوال کے نتیجے میں یہودی قوم کا اگلا حشر کیا ہوگا۔ ہولوکاسٹ میں اپنا پورا خاندان جل کر دیکھنے والا ایلی ویسل (Elie Wiesel) خدا سے شاکی ہو کر کہہ رہا ہے:

> How could I say to him: " Blessed art thou, Eternal Master of the Universe, who chose us from among the races to be tortured day & nights, to see our fathers, our mothers, our brothers end in the crematory? Praised be thy Holy Name, Thou who has chose us to be butchered on Thine alter?"[42]

ان گلوں اور شکوؤں کے بیچوں بیچ مسیح موعود اور عالمی نجات دہندہ کے حوالے سے اب جدید یہودیت کے اندر بھی نت نئے تصوّرات جنم دے رہے ہیں۔ کچھ یہودی اب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح موعود تخلیق کائنات کے دن سے کہیں بیٹھ کر علامات قربِ ساعت کا انتظار کر رہا ہے اور جوں ہی قرب ساعت کی گھنٹی بجی وہ میدان میں کود کر خود کے مسیح موعود ہونے کا اعلان کریں گے۔ کچھ کے نزدیک وہ ایک جذامی بھکاری کے روپ میں کبھی کبھی روم کے صدر دروازے پر آکر بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے مسیحائی عہد کی برپائی میں کتنی گھڑیاں باقی ہیں۔ [43]

جذامی بھکاری کے جدید یہودی تصوّر کا دھندلا نقش تالمود کے جز بعنوان عدالتیں یا Sanhedrin میں بھی پایا جاتا ہے جو حضرت الیاس (Elijah) کے انکشافات کا ایک حصہ ہے کہ جب یوشع بن لاوی (Joshua b.Levi) نے حضرت الیاس (Elijah) سے پوچھا کہ مسیح موعود کو کب آنا ہے۔ اس نے جواب دیا، وہ شہر کے دروازے پر چھوٹے بڑے زخموں کے ساتھ بیٹھ کر بڑابڑا رہا ہے" شاید میری ضرورت پڑے اگر ایسا ہے تو مجھے کوئی دقیقہ فروگزاشت کئے بغیر باہر آنے کے لئے مستعد رہنا ہے"[44]

یہاں یہ واضح رہے کہ کتاب مقدس بھی مسیح موعود اور دنیا کی ہولناکیوں سے پہلے الیاس نبی کے آنے کا ذکر کرتی ہے جو ان کے آنے سے پہلے اس کے لیے فضا ہموار کریں گے کتاب مقدس کی رو سے خداوند نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ:

"دیکھو! خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں الیاسؑ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا اور باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا دل باپ کی طرف مائل کرے گا مبادا میں آؤں اور زمین کو ملعون کر دوں"[45]

اس سے پہلے کتاب مقدس نے رسولِ عہد کے آنے کی بھی پیشگوئی کی کہ:

"خداوند جس کے تم طالب ہو ناگہاں ہیکل میں آموجود ہو گا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔۔۔ پس اس کے آنے کے دن کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اس کا ظہور ہو گا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کی مانند ہے"[46]

آنے والا بادشاہ کے عنوان سے کتاب مقدس میں آنے والے عبقری کو شہزادہ امن اور سلطنت کے داؤدی کے امین اور ابدی حکمران جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے کہ:

"سلطنت اس کے کندھوں پر ہو گی اور اس کا نام عجیب مشیر خدائے قادر، ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ ہو گا۔ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہیں ہو گی۔ وہ داؤد کے تخت اور اس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا"[47]

یہودیت شہزادہ امن اور کتاب یسعیاہ کے باب بعنوان پر امن بادشاہی کو آنے والے مسیح موعود کے ہاتھوں ہمہ گیر اسرائیلی ریاست کے قیام سے تعبیر کرتے ہیں جہاں ظلم کا خاتمہ ہو گا، عدل انتہا کو پہنچے گا، شر کا خاتمہ ہو گا، عالم علم و عرفان سے معمور ہو جائے گا، بھیڑیا اور بکری، چیتا اور لیلا، شیر بچہ اور بچھڑا اکھٹے رہیں گے جہاں گائے اور ریچھنی مل کر چریں گے شیر ببر بیل کی طرح بھوسا کھائے گا اور ننھے بچے سانپوں کے بل کے قریب کھیلیں گے اور اس میں ہاتھ ڈالیں گے۔[48]

تاہم جیسا یہودی، اسرائیلی انبیا اور مصلحین کا حوالہ دیکر کہتے ہیں، الیاسؑ نبی آکر مسیح موعود کے قریب الظہور ہونے کا اعلان کریں گے اور اسرائیلی سماج کو اصلاح و تدریب کے عمل سے گزاریں گے تب یاجوج و ماجوج کے خلاف ایک عالمی جنگ چھڑ جائے گی دنیا ایک خون آشام صورتِ حال سے دوچار ہو جائیگی تب مسیح موعود ظہور کر کے اس عالمی جنگ میں شریک ہوں گے اور طاغوتی طاقتوں کو شکست دیکر دنیا میں پر امن اسرائیلی راج قائم کریں گے۔[49]

قبل مسیح کے ابتدائی ادوار اور تحاریک کی ناکامی نے پہلی بار یہودیت کے اندر دنیوی نجات کے بجائے خدائی ایام اور خدائی نجات کے نئے تصوّر کو جلا بخشی۔ انتہائی قنوطیت (extreme pessimism) نے ان کو پہلی بار تاریخ کے تدریجی اور منطقی عمل کا انتظار کرنے کے بجائے کسی سریع الحرکت تبدیلی کی معقولیت پر قائل کر دیا تاہم وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اس قسم کی یکسر تبدیلی کو خدائی خواہش گردان کر اسے خدائی کھاتے میں ڈال دیں کہ یہودیت سے اپنی چہیتی قوم کی حالت زار نہ دیکھی گئی اور یوں اس نے از خود تاریخ کے تدریجی اور منطقی عمل میں کائناتی سطح (Cosmic Level) پر مداخلت کی اور انسانی تاریخ کے رواں میانی لمحات کو بیچ میں چھوڑ کر لمحۂ آخرہ کو برپا کر دیا اور مسیح موعود کو بھیج کر یہودی قوم کو عروج سے ہمکنار کر دیا۔[50]

اس تصوّر کو عہد قدیم کے کتاب دانی ایل، کتاب یسعیاہ اور کتاب ملاکی سے دینیاتی مواد فراہم کیا گیا اور یوں یہودیت میں لمحاتِ آخرہ اور مسیح موعود کے آنے سے متعلق ادب (apocyloptic literature) کی تکوین و تشکیل ممکن ہوئی جو بطور خود یہودیت کے ظاہری رجائیت (optimism) کے ساتھ ساتھ ان کے اندر کے ذہنی اضطراب، تناؤ اور یک گونہ لارجائیت (pessimism) کی غمازی بھی کرتا ہے پھر بھی یہودی دینیات کا یہ رخ یہودی سیاست کو اپنا ہمنوا بنانے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکا ہے اور اب یہودیت کے دینیاتی اور سیاسی حلقے ایک ساتھ بیٹھ کر دھیرے دھیرے مسیح موعود کا انتظار کر رہے ہیں:

"The Messiah is coming. The time will soon come when we will have the peace that everyone is waiting for. It will happen sooner than any one can imagine[51]"

حواشی وحوالہ جات:

[1]Arthur Hertzburg, (Ed.,) Judaism, (London: prentice Hall, 1961.) p.20
[2]Ibid, 219

[3]Hertzburg, p.220

[4]کتاب مقدس (عہدِ قدیم)، (لاہور: پاکستان بائبل سوسائٹی، 2010ء) کتاب یسعیاہ، 1:11 -9

[5]کتاب دانی ایل، 3:12

[6]James parkes, The Foundation of Judaism and Christianity, (London: Valentine, Mitchell, N.D),Page.261

[7]Bowker, john, The Oxford Dictionary of World Religions.(New York: Oxford University Press)S.V "Messiah"

[8]Mary pat Fisher, Living Religions, (New Jersy: prentice Hall 2005), p. 241,Jaffery, Parrinder, An Illustrated History of Religions, (Newness, N.D), P.394

[9]میکاہ،4:1-2،5:2-5

[10]دانی ایل، 7:9 -18

[11]نفس مصدر، 7:20 و مابعد

[12]نفس مصدر، 7:23 -26

[13]نفس مصدر، 7:27

[14]نفس مصدر، 8:19

[15]نفس مصدر، 8:26

[16]نفس مصدر، 10:14

[17]نفس مصدر، 12:4

[18]نفس مصدر، 12:8

[19]Fisher, 240, 272

[20] Staurt M. Matlins (Ed.,) How to be a Perfect Stranger: The Essential Relegious Etiquette Hand Book, 4th ed. (Sky Light path publishing 2006), p.150

[21]MichaelD.Coogan,(Ed.,) World Religion: The illustrated guide , (London: Duncon Baird publication, 200) p.28

[22] Ahmad,S.B, Muhammad and the Jews, اردو ترجمہ از مشیر الحق

بعنوان: رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ ملیہ، 1985)، ص 190

[23] Paul Findley, *They Dare to speak out*, (Lawrence Hall Books, N.D.) p. 240

[24]نفس مصدر و صفحہ

[25]Findley, p.241

[26]Ibid, p.246

[27]برکات، ص۔ 190

[28]Findley, p.246

[29]Ibid, p.247

[30]Coogan, p.29

[31]شمہ اسرائیل ایک دینیاتی ترانہ ہے جو سبت کے دن عبادت خانہ میں اہم بنیادی عبادات کے بعد دہرایا جاتا ہے۔ اس کے مندرجات من وعن کتابِ استثنا (Deotronomy) سے یوں لی گئیں ہیں :

سن اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا ایک ہی ہے تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند سے محبت رکھ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تمھیں دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں۔۔۔۔(کتاب استثنا، 4:6 ومابعد)

[32]Ibid, P.37

[33] Ani-Maamin ایک یہودی عبادتی کتابچے کی نظم ہے جو عقیدہ مسیح موعود پر مشتمل ہے، اس میں کہا گیا ہے:

I believe with complete faith in the coming of the Massiach, and even though he may delay, nevertheless anticipate every day that he will come

[34]Fisher, p.266

[35]Coogan, p.29

[36]یرمیا، ۵:۲۳-۶۔

[37]Coogan, p.49

[38]یہودیت اور مسیحیت میں مسیح موعود ہونے کے دعوے اب ایک عام بات بن چکی ہے۔ ابھی 1935ء میں شمالی کوریا کے ایک نو مسیحی سن مایونگ مون (Sun Mayung Moon) اور اس کی بیوی ہاک جاہان (Hak Ja Han) نے مشترکہ طور پر مسیح ہونے کا دعوی کیا ہے۔ مون شمالی کوریا میں تحریک ربط و وحدت (Unification Movement) کا بانی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک پہاڑ پر عبادت اور مراقبہ میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے سامنے حضرت مسیحؑ نمودار ہوئے۔ حضرت مسیح نے اسے بتایا کہ خدا اس کے مصلوب ہونے (Cruafixion) پر خوش نہیں تھے کیونکہ اس کے مصلوب ہونے کی وجہ سے اس کا مشن ادھورا رہ گیا۔ مون کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے اسے ہدایت کی کہ وہ جا کر زمین پر خدائی بادشاہت کے ادھورے مشن کو مکمل کرے۔ مون کو کئی بار قید و بند اور کمیونسٹ گروہوں کی مخالفت کا سامنا پڑا۔ مون خود کو آدم ثانی سمجھتا ہے، اس کا دعوی ہے کہ وہ زمین پر خدا اور بندوں کے درمیان حقیقی محبت کی پیوند کاری کرنے آیا ہے کیونکہ آدم اول اور اسکی بیوی نے شیطان کے جھوٹے تعلق میں ملوث ہو کر خدا کے جعلی دوست ہونے کا ثبوت دیا۔ مون نے حضرت مسیحؑ کے آسمانی بادشاہت کے قیام اور تکمیل کے لئے جنوبی امریکہ میں نئی امید جنتِ مشرقی (New Hope EastGarden) کے نام سے سات لاکھ ایکڑ زمین خرید لی ہے، اسے زمین پر آسمانی بادشاہت کا زیرو پوائنٹ (Zero point for the Kingdom of Heaven on Earth) بھی قرار دیا گیا ہے۔ زراعت، باغبانی، شجرکاری اور سبزہ زاروں سے اس کو آراستہ کیا جا رہا ہے تمام مقدس خاندان (Blessed Family) جو اس خطہ جنت میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ چالیس روزہ تربیتی ورکشاپ میں شرکت کریں۔ یہی شرکت اس جنت میں اندراجِ نام (Registration for Heaven) کے لئے بنیادی شرائط میں سے ہے۔

[39]Coogan, p.29

[40]Fisher, p.253

[41] Arthur Wasco, *Seasons of our joy* (New York: Bontan Book, 1982) p.175

[42] Elie Wiesel, Night,(New York: Bontan Book, 1982) p.64

[43]Coogan, p.29, 32 & 37

[44]Hertzburg, p.217

[45] ملاکی، 5:4

[46] نفس مصدر، 3:1-2

[47] یسعیاہ، 6:9

[48] نفس مصدر، 11:1-2

[49]Herbzburg, p.219

[50]Parkes, pp.91-92

[51]Fisher, p.280